بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

شیعہ نصاب کی علیحدگی کا مسئلہ

اخبارات میں شیعہ نصابِ دینیات کی علیحدگی کے سلسلہ میں صدر پاکستان اور دیگر اربابِ اختیار کی یقین دہانی آچکی ہے، اور یہ بھی کہ نئے سال کے آغاز سے نئے نصاب کو جاری کر دیا جائے گا۔ مزید یہ کہ تاریخِ اسلام کو نئے سرے سے مرتب کر کے شاملِ نصاب کیا جائے گا۔ پاکستان کی ۹۰، ۹۵ فیصد آبادی اہلِ سنت والجماعۃ کی اکثریت اور مسلمانوں کی سوادِ اعظم اور اہلِ علم اور صاحبِ فکر طبقے اس فیصلہ کے ہولناک نتائج کو دیکھتے ہوئے جتنے بھی پریشان ہوں، تو بجا ہوگا۔

ہم آج کی صحبت میں اس فیصلہ کے بعض دور رس اور خطرناک نتائج پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ مقصد ملک کی سالمیت اور ملی یکجہتی ہے۔ اور تمنا ملک کی گاڑی کو اس مہلک راہ سے بچانے کی ہے جس پر اس ناعاقبت اندیشانہ فیصلہ کی صورت میں ملک کو ڈالا جارہا ہے۔

ملک کے سیاسی تقاضوں، اقتصادی ضرورتوں اور سوادِ اعظم کی دینی اور معتقداتی نزاکتوں کے لحاظ سے حکومت کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ ایسے اہم مسئلہ پر عجلت میں کوئی فیصلہ کرنے کی بجائے اکثریتی طبقہ سنی مسلمانوں کو اعتماد میں لے اور ان کے معتمد علماء اور اربابِ فکر سے مشورہ کرے۔

سیاسی لحاظ سے ملک کو اس وقت جس فکری سلامتی، اتحاد اور قومی یکجہتی اور نظریاتی یگانگت کی ضرورت ہے اتنی کبھی نہ تھی ملی اتحاد پر آئندہ رہے سہے ملک کی بقاء کا دارومدار ہے۔ اب تک خوش قسمتی سے شیعہ سنی طبقوں میں یہ فضا قائم رہی باہمی منافرت اور اجنبیت کا احساس یا شدت احساس کم ہی رہا۔ سنی مسلمانوں نے تو تحریکِ پاکستان کے آغاز سے لیکر اب تک اس سلسلہ میں نہایت فراخدلی اور رواداری کا مظاہرہ کیا اور بارہا اپنی قسمت کی باگ ڈور بھی ایسے ہاتھوں میں دیکر مغالطہ محسوس نہ کیا۔ جن ہاتھوں نے آگے چل کر ملتِ مسلمہ کا گلا گھونٹنے میں کوئی کسر نہ اٹھائی اور بالآخر مسلمانوں کے اس حصار پاکستان کو پاش پاش کر کے ہی چھوڑا ـــــ بہرحال اس باہمی رواداری اور حسنِ معاشرت میں بنیادی عامل موجودہ متحدہ دینی نصاب ہی رہا کہ سکول اور تعلیم گاہ کے ماحول میں بچوں کے اذہان ایک دوسرے سے علیحدگی اور جداگانہ گروہی وجود کی تربیت سے محفوظ رہیں۔ اور اس بات کا واضح ثبوت یہ ہے کہ بحمد اللہ کہ قیامِ پاکستان

کے بعد ہمارے تعلیمی ادارے، شیعہ سنی نظریاتی تصادم کی لپیٹ میں نہیں آئے۔ اور نہ اکثریتی فرقہ کی دینیات شیعہ بچوں کے جذبات مجروح کرنے کا ذریعہ بنی۔ تعلیمی اداروں سے باہر بھی ہماری زندگی اس کھچاؤ سے کافی حد تک محفوظ رہی۔ بلکہ تعلیمی نصاب اور نظام کی یگانگت کافی حد تک بچوں کے ناپختہ اذہان میں باہمی الفت وتعلق اور نظریاتی اعتدال پیدا کرنے کا موجب بنتی رہی۔

اب جب نصاب کی علیحدگی کی صورت میں بچپن ہی سے بچوں کے اذہان میں ان کے جداگانہ خیالات اور نظریات اور علیحدہ علیحدہ حیثیت کا شعور اجاگر کیا جائے گا۔ تو یہ احساسِ علیحدگی آگے چل کر باہمی منافرت کی کتنی خطرناک شکل اختیار کر سکے گا اور قومی یکجہتی اور فکری یگانگت کس بے دردی سے انتشار و افتراق میں بدل جائے گی۔

۲- پھر یہ دیکھئے کہ علیحدگی کا یہ سلسلہ آخر کہیں جا کر رک بھی سکے گا یا نہیں۔؟ اس ملک میں دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والی کئی غیر مسلم اقلیتیں موجود ہیں جو شیعہ حضرات کے اپنے مطالبات کے حق میں دئے گئے دلائل سے زیادہ وزنی دلائل کے ساتھ ایسے مطالبات کر سکتے ہیں۔ پھر کیا ہمیں ان مٹھی بھر اقلیتوں، ہندو، عیسائی، سکھ، پارسی، بدھسٹ، بہائی یا قادیانی (کہ مسلمان انہیں بہرحال اقلیتی غیر مسلم فرقہ سمجھتے ہیں) فرقوں کے لئے بھی ایک الگ الگ نصاب رکھنا ہوگا۔ اور ہر فرقہ کی خواہش پر نصابِ تعلیم اور نظامِ تعلیم کی از سر نو تنظیم کرنا ہوگی۔ ایک نہایت نامعقول رسم ڈالنے کے بعد ہم ایسے مطالبات کو کس طرح ناقابلِ تسلیم اور نامعقول کہہ کر مسترد کر سکیں گے۔ اتحاد کی رسی ہاتھ سے چھوٹ جانے کے بعد ملک وملت کی شیرازہ بندی کس بنیاد پر ممکن ہو سکے گی۔

۳- شیعہ حضرات اگر اس طرح اپنا ایک علیحدہ تشخص قائم کرنے پر مصر ہیں تو یہ بنیادی سوال اٹھ سکتا ہے کہ کیا وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے ایک جداگانہ قومیت تصور کرتے ہیں۔؟ جہاں تک مسلمانوں کے سوادِ اعظم کا تعلق ہے اسکی طرف سے ایسی کوئی آواز شیعوں کی علیحدگی کی نہیں اٹھائی گئی نہ وہ انہیں مسلمانوں سے ایک الگ غیر مسلم فرقہ تصور کرتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں اب تک نہایت فراخدلی بلکہ مسرفانہ رواداری کے نتیجے میں ملک کے بعض حصوں کے نصابِ تعلیم سے حضرت ابوبکرؓ اور فاروق اعظمؓ جیسے قابلِ فخر رہنماؤں کے احوال و سوانح بھی حذف کئے جا چکے ہیں۔ اور سنی اپنی روایتی وسعتِ ظرف یا ملی بے حسی کی وجہ سے یہ سب کچھ گوارا کرتے چلے آئے ہیں۔ لیکن کیا شیعہ حضرات کے موجودہ مطالبات کے بعد یہ سوال نہیں پیدا ہو سکتا کہ جب اکثریت انہیں اپنی طرح مسلمان سمجھتی ہے تو یہ لوگ بلاوجہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے علیحدہ کرانے پر کیوں بضد ہیں۔ شیعہ سنی معتقدات میں بعض اصولی اختلافات کے باوجود بعض شیعہ فرقوں کو

چھوڑ کر عام طور پر اس اختلاف کو فروعی سمجھا جارہا ہے (جبکہ بعض اخباری مراسلات میں شیعہ حضرات اسے اصول قرار دینے پر اصرار کر رہے ہیں۔)

۴۔ اگر فروعی اختلافات بھی اس علیحدگی کا سبب بن سکتا ہے تو خود اہل سنت کے اندر کتنے مکاتب فکر ہیں جو آگے چل کر جداگانہ حقوق اور مطالبات کا ہنگامہ اٹھا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہاں کی اکثریت حنفی مسلمانوں کی ہے۔ لیکن کیا فروعی اختلافات کی وجہ سے دیوبندی اور بریلوی الگ الگ دینی نصاب کا مطالبہ نہیں کر سکیں گے۔؟

پھر حنفی اور غیر حنفی تقسیم کریں تو مقلد اور غیر مقلد کی بنیاد پر علیحدگی کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔ اہل حدیث ایک الگ جماعت ہے۔ جو کسی امام کی مقلد نہیں۔

تقلید کے دائرہ میں بھی یہاں دیگر ائمہ کرام کے پیرو موجود ہیں۔ شافعی بھی ہیں مالکی اور حنبلی بھی، کیا ہمیں ان سب کے لئے الگ الگ نصاب بنانا پڑے گا۔ اور سب کے لئے مساجد اور مدارس، امامت اور خطابت اور ملک کے قانون و آئین میں الگ انتظامات کرنے ہوں گے۔ اور کیا کسی بھی مختلف مکتب فکر سے رکھنے والے دو چار افراد کی خاطر یہاں کی اکثریت حنفی مسلمانوں کی دینیات، ان کی فقہ ان کے آئین اور قانون کو مشق ستم بنایا جائے گا۔

اگر شیعہ فروعی اختلاف کی بناء پر علیحدگی کے حقدار ہیں تو خود شیعوں کے اندر آپس میں کتنے فروعی بلکہ اصولی اختلافات موجود ہیں۔ پھر کیا وہ اپنے دیگر مکاتب فکر اور گروہ در گروہ فرقوں کو بھی علیحدگی کا یہ حق دینے پر تیار ہوں گے۔

۵۔ عقائد اور نظریات کے لحاظ سے اس فیصلے کا جائزہ لیں تو نہیں کہا جا سکتا کہ اہل سنت والجماعۃ اس صورتحال کو کس طرح برداشت کر سکیں گے۔ جہاں تک اہل سنت کا تعلق ہے وہ تمام صحابہؓ کو سرچشمہ ہدایت اور معیار حق سمجھتے ہیں۔ بالخصوص شیخین (حضرت صدیقؓ و حضرت فاروقؓ) کی افضلیت ان کا عقیدہ ہے۔ تمام صحابہ کرامؓ (بشمول حضرت علیؓ و امامین حسنؓ و حسینؓ) کی عظمت و حرمت اور ان کی تعدیل و تقدیس جزء ایمان سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ اہل بیت اطہار و ابرار کی قدر و منزلت بھی لازمۂ ایمان ہے۔

الغرض یہاں مثبت ہی مثبت پہلو ہے۔ کوئی منفیانہ ذہنیت کی بات نہیں امام عالی مقام علی المرتضیٰ کی حیثیت سنی نصاب میں خلیفہ راشد کی ہے۔ حضرات اہل بیت ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہیں فاطمہ بتول کی حرمت پر مر مٹنا ہم سعادت دارین سمجھتے ہیں کسی بھی صحابیؓ کی بے ادبی کرنا ضیاع ایمان اور حبط اعمال اور دائمی خسران کا باعث سمجھتے ہیں۔ الغرض سنی نصاب میں اہل بیت اور ائمہ اطہار کی ادنی گستاخی کا تصور

بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس نصاب میں نہ کسی کو غاصب کہا جاتا ہے نہ کسی کے حق کو غصب شدہ نہ کوئی ظالم ہے نہ مظلوم سب ابرار و اخیار، مقرّب بارگاہِ خداوندی اور "رحماء بینھم" کے مصداق ہیں موجودہ مروّج نصاب دینیات کے کسی کتاب کے کسی ورق اور کسی سطر سے شیعہ حضرات کی دل آزاری ہو جانے کی مثال نہیں دی جاسکتی۔

اب شیعہ معتقدات کو دیکھئے تو وہ سراسر اس کے خلاف ہیں ان کے علمی اور دینی کلچر میں چند ایک حضرات کو چھوڑ کر صحابہؓ کی اکثریت اسلام اور ایمان کے معیار پر بھی پوری نہیں اترتی (معاذ اللہ) صدیقؓ و فاروقؓ اور عثمان غنیؓ سمیت سب اجلّۂ صحابہ نعوذ باللہ غاصب اور ظالم تھے۔ حضرت عائشہؓ اور دیگر امہات المومنین (رضی اللہ عنھن) کے بارہ میں ان کے عقاید کو کوئی غیور مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ خلافت میں ان کے ہاں صدیقؓ و فاروقؓ کی حیثیت ثانوی ہے۔ تقیہ (بوقت ضرورت جھوٹ) اور متعہ (مرد و زن کی باہمی رضامندی سے شہوت رانی) ان کے دین کے بنیادی اصول ہیں۔ صحابہ کرامؓ پر لعن وطعن، تبرّا بازی ان کا جزو دین ہے، "عقیدہ بدا" قرآن کی ابدیت اور شریعت کے ناقابلِ تنسیخ ہونے کی سراسر نفی کرتی ہے۔ اور اس طرح بیسیوں دیگر مسائل اور نظریات ہیں، جو ان کے ہاں دین کے اساس کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہاں ان نظریات کی اچھائی یا برائی کی بحث میں پڑے بغیر ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کیا اہلِ سنت والجماعت مسلمان اپنے نونہال بچوں کے لئے ایک ہی سکول ایک ہی کلاس کی ایک ہی صف میں ایسی کتابوں، ایسے لٹریچر اور ایسے اساتذہ کی ایسی تعلیمات کو ایک لمحہ کے لئے گوارا کر سکیں گے جس میں ان کے محبوب اسلاف پر تبرّا بازی کی گئی ہو ان کو ظالم اور غاصب کہا گیا ہو، تقیہ اور متعہ کی شکل میں ان کے بچوں کی اخلاقی اور سماجی حالت بربادی کے خطرہ میں ہو آگ اور پانی کا یہ نباہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔ کیا اس طرح ہر سکول کے اکثریتی طبقہ کے بچوں کے دینی جذبات اور معتقدات مجروح نہیں ہوں گے۔ اس کا نتیجہ جس ہولناک اور بھیانک شکل میں ظاہر ہوسکتا ہے۔ چند وقتی مصلحتوں کی خاطر اس سے صرف نظر کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ حقیقت بین نگاہوں کا یہ اندازہ بجا طور پر درست ہے کہ اس طرح پوری سُنّی آبادی شیعہ معتقدات کی لپیٹ میں آسکتی ہے۔ اور شیعہ عقائد کی بنیادی اور اہم سطح پر اشاعت اور تبلیغ کا دروازہ کھولا جارہا ہے۔ پوری امتِ مسلمہ چند گنے چنے حضرات کی خاطر شیعیت کی بھینٹ نہیں چڑھائی جاسکتی۔

اگر شیعہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نصاب میں ایسی کوئی دل آزار بات نہیں ہوگی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر نصاب کی علیحدگی کی ضرورت کیا رہ جاتی ہے۔ اگر نصاب ایسے اختلافی

مسائل اور معتقدات سے دور رکھنا ہے تو پھر کروڑوں روپے کا بوجھ ڈال کر الگ نصاب جاری کرنے میں ان کا مقصد کیا رہ جاتا ہے۔ بہرحال ایک دفعہ الگ نصاب کی داغ بیل ڈال دینے کے بعد اسکی کیا ضمانت ہے کہ آئندہ اسے سنی بچوں کے عقائد کی دلآزارانہ آلائشوں سے دور رکھا جا سکے گا۔

۶۔ یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ کیا علٰحدگی کا یہ مطالبہ صرف نصابِ تعلیم تک محدود رہ سکتا ہے۔؟ شیعہ کمیٹی کے مطالبات میں اوقاف کی علٰحدگی بھی شامل ہے۔ تبرّا بازی (بر سرِ عام صحابہؓ پر سب وشتم) کی کھلی چھوٹ دئے جانے پر اصرار ہے۔ آگے چل کر ان مطالبات کا دائرہ اور وسیع ہو سکتا ہے۔ فوج کی ہر یونٹ میں دو ایک شیعہ افراد کے لئے وہ سنی امام اور خطیب کے ساتھ شیعہ مجتہد اور امام کا بھی مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اس طرح فوج بھی نظریاتی جنگ و جدال کا اکھاڑہ بن سکتی ہے۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی دیگر غیر مسلم اقلیتیں اور قادیانی بھی فوج میں اپنے مذہبی معاملات کیلئے الگ انتظام اور الگ الگ محکموں کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ ہماری ذاتی معلومات کی بناء پر ایک ذمہ دار عیسائی افسر ہر یونٹ میں مسلمان عالم کے ساتھ ایک پادری کے تقرر کی خواہش کر بھی چکے ہیں۔ قادیانیوں کو جو عمل دخل اور رسوخ حاصل ہے، وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں اس رسوخ کی بناء پر مرزائی اپنے مبلغین کی تقرری کا سوال بھی اٹھا سکتے ہیں۔ کیا یہ صورتِ حال ملک کے دفاع، سالمیت اور افواج کی یکجہتی اور یگانگت کیلئے مضر نہیں ہوگی۔

مزید آگے چل کر شیعہ اقلیت اپنے لئے سنی آبادی کے ہر محلہ اور ہر گاؤں میں الگ امام اور مجتہد کی تقرری کا ناقابلِ برداشت بوجھ بھی محکمۂ اوقاف پر ڈال سکتی ہے۔

۷۔ آزادیٔ رائے اور سیکولر ذہنیت سے متاثر اذہان کو شاید یہ صورتحال بہت پسند آئے۔ کہ ہر سکول اور تعلیمی ادارہ کی ۹۰، ۹۵ فیصد اکثریت سنی مسلمانوں کے ساتھ ۵، ۱۰ اقلیتی بچوں کی خاطر پانچ دس الگ الگ نصاب بھی رکھے جائیں۔ لیکن اس طرح اس نظریہ کا کیا حشر ہوگا جو قیامِ پاکستان کا باعث بنا، اور جسے اب کافی حد تک ہم خود اپنی ستم کاریوں ہی سے نیم مردہ اور بے جان کر چکے ہیں۔ یعنی — دو قومی نظریہ — ملک جس اکثریت کے نام پر بنا ہے اگر پاکستان میں اس اکثریت اور مجارٹی کو تعلیم جیسے بنیادی مسئلہ میں بھی قوتِ حاکمہ کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی تھی اور اسے چھوٹی چھوٹی اقلیتوں کے مساوی حصہ دینا تھا۔ تو کیا یہ مقصد ایک متحدہ سیکولر سٹیٹ کی شکل میں حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کیا مسلمان برّصغیر کی اقلیت رہ کر اس طرح مطالبات سے اپنے الگ تشخص کو برقرار

نہیں رکھ سکتے تھے۔ پس بلاشبہ اگر یہاں مجارٹی اور مینارٹی کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ تو مسلمانوں کو ایک مستقل ریاست کے نام پر تاریخ کی لامثال قربانیوں اور مصیبتوں کا سامنا کیوں کرنا پڑا۔

الغرض جب ملک اکثریت کے نام پر بنا ہے۔ اقلیتی طبقات کے نام پر نہیں تو ایسے فیصلے ملک کی مذہبی اساس اور بنیاد دو قومی نظریہ کو منہدم کرنے کے مترادف ہوں گے۔

بلاشبہ ایک اسلامی مملکت میں اقلیتی فرقوں کو اپنے مذہب کی تعلیم حاصل کرنے اور اپنے کلچر و تمدن کو برقرار رکھنے کی اجازت ہے۔ لیکن اس کی صورت یہ ہے کہ اگر شیعہ وغیرہ کو سنی نصاب تعلیم پر اعتماد نہیں تو وہ اپنے لئے پرائیویٹ اداروں اور تعلیم گاہوں کی شکل میں اس کا انتظام کر سکتے ہیں۔ کوئی اسلامی مملکت انہیں نہیں روکتی۔ لیکن وہ اس آڑ میں پورے ملک کے دینی نصاب کو خطرہ میں نہیں ڈال سکتے نہ اکثریت پر اپنے عقائد کی تبلیغ کا جبری راستہ نکال سکتے ہیں۔ بھارت کی مثال ہمارے سامنے ہے جو نام نہاد سیکولر سٹیٹ ہونے کا دعویدار ہے۔ لیکن وہاں کے تعلیمی اداروں کے نصاب میں ہندوانہ ذہنیت اور ہندو رسم و رواج اور تعلیمات سے مسلمان بچوں کے دین کو خطرہ لاحق ہو گیا تو مسلمانوں نے اس کے لئے الگ مکاتب، کھولے پرائیویٹ ادارے قائم کئے۔ مگر وہ بھارت کو مجبور نہیں کر سکے کہ ان کے لئے ہر سکول اور ادارہ میں الگ نصاب رکھا جائے۔

۸۔ اقتصادی اور معاشی لحاظ سے اس فیصلہ کا جائزہ لیجئے تو کیا ایک ایسا ملک جس کی ۷۵ فیصد آبادی اقتصادی بدحالی اور پسماندگی کی وجہ سے لازمی بنیادی تعلیمی سہولتوں سے بھی محروم ہے۔ جہاں کی دور افتادہ دیہاتی آبادیاں پرائمری تعلیم سے بھی ناآشنا ہیں، کسی ایسے دوہرے نصاب اور نظام تعلیم کی متحمل ہو سکتی ہے۔ جس کی وجہ سے تعلیمی مصارف دوگنا ہو جائیں۔ ہم موجودہ سکولوں کو فرنیچر بنیادی سامان اور ضروری مصارف مہیا نہیں کر سکتے۔ تو چند ایک بچوں کی خاطر الگ نصاب، اس کے لئے الگ اساتذہ اور دو کتابوں کے اخراجات کہاں سے پورے کر سکیں گے۔ ان عظیم اخراجات اور مصارف کے نتیجہ میں فائدہ کتنا حاصل ہو گا۔؟

ہمارے خیال میں ملک کی ۷۰ فیصد بالخصوص دیہاتی آبادی ایسی ہے۔ جہاں کسی سکول میں آپ کو ایک بھی شیعہ بچہ نہیں مل سکے گا۔ ۳۰ فیصدی تعلیمی ادارے اور سکول ایسے ہوں گے، جہاں ایسے بچوں کی شرح دس فیصد سے کسی طرح زیادہ نہیں ہو گی۔ لیکن ایک عام پالیسی کے تحت ہر سکول کو نہ صرف دو نصاب فراہم کرنے ہوں گے۔ بلکہ متصادم نظریات اور تعلیم کے لئے الگ الگ اساتذہ بھی اس لئے کہ نہ تو کوئی سنی شیعہ نصاب پڑھانے پر آمادہ ہو گا۔ نہ شیعہ حضرات اپنے اساتذہ سے پڑھنا

گوارا کریں گے۔ پھر جب دینیات کے اساتذہ دونوں نصابوں کے لئے ضروری ٹھہرے تو فرض کیجئے ملک کے ۹۵ فیصد آبادی کے لئے یہاں دس ہزار اساتذہ رکھنے ہیں تو ہم اتنی ہی تعداد ۵ فیصد آبادی کے لئے بھی رکھنے پر مجبور ہوں گے۔ یہ صورتحال ملازمتوں کے تناسب سے کتنی قابلِ افسوس ہوگی۔

۹۔ ایک اور زاویہ سے دیکھئے تو قومی یکجہتی کے ساتھ حکومت کی دورخی پالیسی پر محوِ حیرت ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔ کہ جب مسلمانوں کی اکثریت ایک مدت سے قادیانیوں کو الگ غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کرتا ہے۔ تو اسے یہ کہہ کر مسترد کر دیا جاتا ہے۔ کہ اس طرح قومی اتحاد مجروح ہوتا ہے۔ اور افتراق و انتشار کی راہ کھلتی ہے۔ یہاں تک کہ قادیانیوں کو دانستہ یا نادانستہ تحفظ دینے کی خاطر آئین میں نہایت اصولی مطالبہ "مسلمان کی تعریف اور مسلم کا تعین اور تشخص" کو بھی بے دردی سے ٹال دیا جاتا ہے۔ لیکن دوسری طرف ایک ایسے فرقہ کو علیحدگی کی راہ پر ڈال دیا جاتا ہے جسکی علیحدگی کا مطالبہ مسلمانوں کی طرف سے کبھی نہیں ہوا۔ بلکہ وہ اسے اپنے ساتھ ملائے رکھنا چاہتے ہیں حالانکہ پہلا مطالبہ "قادیانیوں کی علیحدگی" قومی یکجہتی کے تحفظ اور سالمیت کی خاطر نہایت اصولی، معقول، اور ضروری ہے۔ جبکہ دوسرے مطالبے (شیعوں کی علیحدگی) سے قومی یکجہتی پاش پاش ہو جاتی ہے۔ گویا نہ تو قومی اتحاد برقرار رکھنے میں مسلمانوں کے مطالبات قابلِ اعتنا ہیں۔ اور نہ اس کے توڑے جانے پر مسلمانوں کے اندیشے لائقِ التفات ہیں۔ ایسی دورنگی اور دورخی پالیسی پر سوائے حیرت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

ایک بات اور شیعہ حضرات کیلئے ان مطالبات کے ردِ عمل کی شکل میں قابلِ غور ہے۔ اگر ایسے مطالبات سنی مسلمانوں کی طرف سے شروع ہو جائیں کہ آئندہ الگ تشخص کی وجہ سے شیعہ حضرات کو سول سروس فوج وغیرہ کی ملازمتوں اور دیگر حقوق و رعایات میں بھی شرح آبادی کے تناسب سے کوٹہ مقرر کیا جائے تو کیا اس مطالبہ کو نامعقول کہا جا سکے گا۔ اس طرح اگر شیعہ حضرات اہلِ سنت سے اپنے اختلافات کو اصولی قرار دینے پر مصر رہے تو مسلمانوں کے لئے سوچنا ہو گا کہ ایسے اصولی اختلافات کے ساتھ کوئی شخص مسلمان کے دائرہ میں رہ سکتا ہے یا نہیں یا ایسے اصولی اختلافات کے ہوتے ہوئے کوئی اقلیت ملک کے کلیدی مناصب بشمول صدارت وغیرہ پر فائز رہ سکتی ہے یا نہیں۔؟ یہ اور اس قسم کے بیشمار مسائل اس کے ردِ عمل میں ظاہر ہو سکتے ہیں ۔ پھر شیعہ حضرات شاید اسے گھاٹے کا سودا سمجھ کر پچھتانے لگ جائیں مگر موقع ہاتھ سے جا چکا ہو گا۔

۱۰۔ آخر میں اس فیصلہ کو قابلِ عمل ہونے کے لحاظ سے دیکھئے کہ یہ جبری طور پر کہاں تک نافذ ہو

سکتا ہے۔ میرے خیال میں تعلیم کا مسئلہ زیادہ تر صوبائی حکومتوں سے وابستہ ہے۔ فرض کیجئے صوبہ سرحد یا بلوچستان اور ان کی دیکھا دیکھی کوئی اور صوبہ جداگانہ نصاب کے اس فیصلہ کو مسترد کر دیتی ہیں تو کیا مرکز اسے جبراً ٹھونس کر کتنے خطرات میں ملک کو ڈال سکتی ہے۔ اور اگر صوبائی حکومتیں اسے نافذ کر بھی دیں لیکن جیسا کہ شیعہ حضرات کو اپنے عقائد اور نظریات عزیز ہیں، گروہی حمیت انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ سنی مسلمانوں کے بچوں اور تعلیمی اداروں کے اہلِ سنت نوجوانوں میں دینی و ملی احساسات کا شعور بیدار ہوا اور ۹۵ فیصد لڑکوں نے اس فیصلہ کو مسترد کرنا چاہا تو ملک کے امن و امان کا کیا بنے گا۔ جبکی ملک کی تعمیرِ نو کے لئے نہایت اشد ضرورت ہے۔

ان خطرات کو دیکھتے ہوئے ملت کے اتحاد اور سالمیت کی خاطر ہماری دردمندانہ گذارش ہے کہ اس فیصلہ پر نظر ثانی کر کے ملک کو منافرت افتراق اور خانہ جنگی کے راستوں پر نہ ڈالا جائے پہلے سے لسانی، علاقائی اور قومی مسائل کا عفریت ہمیں ہڑپ کر رہا ہے اگر ملت کی شیرازہ بندی کرنے کی بجائے ایسے دیگر مسائل کو ہوا دی گئی تو اسے کسی سوچی سمجھی سازش کی ایک کڑی ہی سمجھا جائے گا۔ اور ملک کے باشندوں میں باہمی اعتماد اور خیرسگالی کی فضا قائم رکھنا مشکل ہو جائے گی۔ خدا اس روزِ بد اور اس کے نتائج سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

مکہ معظمہ میں شیخِ وقت مجاہد جلیل عارف باللہ مولانا احمد علی لاہوریؒ مرحوم کے فرزند اکبر مولانا حبیب اللہ مہاجر حرمین کا انتقال ہوا، مولانا مرحوم اپنے اولو العزم والدؒ کی طرح زہد و ورع، فقر و استغناء توکل اور ریاضت کے عجیب مقامات پر فائز تھے۔ درویشی اور متوکلانہ زندگی کے عجیب نمونے اس دور پرفتن میں قائم کئے تقریباً ۲۰ سال مشقتوں سے بھری زندگی جوارِ حرمین میں گذاری اور اسی حال میں واصل بحق ہوئے۔ حضرت لاہوریؒ کے خاندان کا یہ گلِ سرسبد اپنے والد بزرگوار کی طرح طلبگاران راہ حق کے لئے مشعلِ ہدایت رہے گا۔

اسی ماہ لاہور ہی کے ایک نوجوان صالح حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب کا بھی انتقال ہوا۔ یہ اپنے وقت کے جنید شیخ طریقت و شریعت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری مرحوم بانی جامعہ اشرفیہ کے خلف صالح تھے۔ اخلاص محبت اور شرافت کے پیکر۔ اس مرگِ جواں سالی پر کونسی آنکھ ہے جو اشکبار نہ ہو۔ دارالعلوم حقانیہ، ادارۂ الحق ہر دو مرحومین کے رفع درجات کا متمنی ہے۔ اور غمزدہ خاندان کے افراد سے برابر کا شریک غم۔

(سمیع الحق)